کنزہ نوشیر
پی ایچ ڈی اسکالر لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی جیل روڈ، لاہور
ڈاکٹر نورین رزاق
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی جیل روڈ، لاہور

شوکت صدیقی کا ناول چار دیواری: لکھنوی ثقافت کا مظہر

Kinza Noshair
Ph.D Scholar, Lahore College For Women University, Jail Road Lahore.
Dr. Noreen Razzaq
Assistant Professor Urdu, Lahore College for Women University, Jail Road Lahore.

Shoukat Siddiqui's novel Chardewari: A True Depiction of Lakhnawi Culture

Shoukat siddiqui is a renowned and authentic author in Urdu novel writing. He has not only shown his mastery in novel writing but has also succeeded in proving skillfulness in fiction writing. Shoukat Siddiqui created bulky novel Chardewari which is unique example of Lakhnawi culture. The whole panorama of Chardewari is artistic narration of elite class's customs, mannerism, generosity, attitudes, social and economic circumstances, their devotion and attitudes towards religion, problems of contemporary age as well as ability to understand their latent faculties. Each and every character of novel represents specific language, civilization and culture of its epoch!

Keywords: *Shoukat Siddiqui, Chardewari, Lakhnawi Culture, Significance.*

دنیا کی جغرافیائی حدود میں معاشرت ،سیاست اور تہذیب وثقافت اپنا ارتقا طے کرتی ہیں۔ ہر خطے کی اپنی مخصوص روایات ہوتی ہیں جو وقت کے پیشِ نظر تبدیلیوں سے آراستہ ہوتی رہتی ہیں۔ماحول اور حالات کے ساتھ ساتھ انسانی رویوں اور ترقی کے راستوں میں بھی تبدیلی آئی۔اگر ہم برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا جائزہ لیں تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ برصغیر مختلف النواع و اقسام کی ثقافتوں کا مجموعہ ہے ۔اس کے دائرہ کار میں وہ تمام عناصر شامل ہیں جو مختلف مدارجِ ارتقاء کے سماجی طبقات سے متعلق

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہیں۔ہر معاشرہ اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے جو تہذیبی تغیرات کی وجہ سے ہونے والے انقلابات اور رجحانات کو اپنے اندر ڈھال لیتا ہے جس کا اظہار اس سماج کے ادب میں جھلکتا ہے۔ادب معاشرے میں قوع پذیر ہونے والے مختلف النواع خیالات جو اس معاشرے کی ثقافت سے پروان چڑھتے ہیں اُن کا اُجاگر کرتا ہے ۔ مصنف جب معاشرے سے متاثر ہوتا ہے تو اپنے خیالات کے اظہار کے لیے اس معاشرے کے جذبات و احساسات اور فلسفے کو اپنی روح کی مکمل وابستگی کے ساتھ اپنے قلم کی روشنائی سے عیاں کرتا ہے۔

اردو ناول کی صنف ہمارے ادب کا ایک خاص حصہ ہے جو ہمارے کلچر کی ترجمانی کرتا ہے اور زندگی کی مختلف جہتوں کو نمایاں کرتا ہے۔ناول کانہ صرف ہماری سماجی بلکہ تہذیبی ،سیاسی ،اقتصادی اور معاشرتی زندگی کے ہر پہلو سے بہت گہرا تعلق ہے۔اردو ناول نگاری میں تہذیبی و ثقافتی پہلو کسی نہ کسی طرح زیرِموضوع رہے ہیں۔اردو ناول کی روایت میں شوکت صدیقی درخشاں ستارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کو اردو فکشن کے معماروں میں لکھنوی تہذیب وثقافت کے حوالے سے ممتاز اور منفرد مقام حاصل ہے۔ان کے ناول کی کلیدی اساس تہذیب وثقافت اور سماجی حقیقت نگاری پر ہے۔انھوں نے نہ صرف ناول نگاری مین طبع آزمائی کی بلکہ فن افسانہ نگاری میں بھی وہ اپنا سکہ جمانے میں کامیاب رہے۔انھوں نے اس روایت میں اہم یاد گار ناول چھوڑے جن میں" خدا کی بستی"،"چار دیواری"اور "جانگلوس"شامل ہیں۔ناول "خدا کی بستی"پر انہیں١٩٦٠ میں آدم جی ادبی ایواڑ ملا جو ان کی شہرت کی وجہ بنا۔جس سے ادب کا ہر قاری واقف ہے۔شوکت صدیقی نے اپنے ناولوں کے ذریعے لکھنوکی ثقافت اور ان کی روایات کو فنی نقطہ نظر سے پیش کیا۔ان کے ناولوں میں زندگی کی حقیقی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔انہوں نے بارک بنی سے لکھنو ی سماج کا مطالعہ کیا اور اپنے کرداروں کے توسط سے سماجی حقیقتوں کو پیش کیا۔

> ڈاکٹر انوار احمد کے بقول شوکت صدیقی لکھنو میں پیدا ہوئے اور اسی ادبی خطے میں اُن کی تہذیبی شخصیت کو تشکیل دیا۔(١)

زیرِ تحقیق موضوع ناول " چار دیواری "١٩٩٠ء میں کتاب پبلی کیشنز کراچی سے شائع ہوا۔ چار دیواری ان کے ناولٹ "کوکا بیلی " کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔چار دیواری ناول پانچ حصوں اور ٦٨٧

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

صفحات پر مشتمل ہے۔"کوکا بیلی" اور "چار دیواری" کا بنیادی مرکز ایک ہے ۔ڈاکٹر ممتاز احمد کے بقول:

> "یہ ناول ۱۹۹۰ء میں سامنے آیا ہے۔اس کی بنیاد کو کا بیلی نامی وہ ناولٹ ہے جسے شوکت صدیقی نے بہت پہلے تحریر کیا تھا۔اس کو جب انہوں نے دوبارہ اس عہد میں دیکھا تو "چار دیواری " کے عنوان سے ماجرے کو وسیع تناظر میں پیش کیا۔"(۲)

ناول کی کہانی ایک ایسے خاندان کے گرد گھومتی ہے جو شاہی خاندان کی باقیات میں سے تھا۔ لیکن گردشِ زمانہ کے ساتھ ان کا رعب اور شان و شوکت تو پہلے کی سی نہ رہی تا ہم پھر بھی اپنے خاندانی وقار اور وضع داری کا بھرم قائم رکھے ہوئے تھے۔اس ناول کی بُنت طلعت آرا ،حضور بیگم ،ارجمند سلطانہ اور قیصر مرزا کے گرد بُنی گئی ہے۔علاوہ ازیں ضمنی کردار بھی قصے کو آگے بڑھانے میں ساتھ دیتے ہیں۔ناول"چار دیواری "کا پسِ منظر بیسویں صدی کے اوائل کا لکھنو ہے۔موضوع کے اعتبار سے یہ ناول ان تمام پہلوئوں کا احاطہ کرتا ہے جو اس معاشرت کے زوال کا سبب بنے۔اس میں نوابانِ لکھنو اُن کے طرزِ بودوباش ،عادات وخصائل ،رسوم و رواج ،مشاغل اور اعتقادات خصوصاً ضعیف الاعتقادی کو نمایاں کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ناول کی حقیقی معنویت بارہ دری میں پائی جانے والی نزاکت ،نفاست اور مرد کے آگے سر تسلیم خم کرتی ہوئی وہ عورت ہے جو اس لکھنوی سماج کی ثقافتی صورت حال کی نمائندہ مثال ہے۔لکھنو کا پورا معاشرہ عورت کے گرد گھومتا نظر آتا ہے جو مختلف کرداروں کی صورت میں نظر آتی ہے۔اس ناول میں ہر کردار اپنے دور کی زبان،مذہب اور تہذیب وثقافت کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے۔یہ ناول سماجی حقیقت نگاری اور لکھنوی ثقافت کی پیش کش کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

ناول چار دیواری کا آغاز ہی بڑا معنی خیز ہے۔ناول کی ابتدا ہی میں قاری تجسس میں پڑ جاتا ہے اور یہی تجسس قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔جس کا اندزاہ اس اقتباس سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"اس روز ایک ایسا حادثہ پیش آیا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت پُر اسرار اور ایسا لرزہ خیز تھا کہ بارہ دری پر خوف و ہراس کے سائے پھیل گئے۔۔۔آج نو چندی تھی اور نو چندی بھی بسنت کی تھی۔پت جھڑ لگ چکا تھا۔درختوں کے نیچے خشک پتے ماگھ کی کی بپھری ہوئی ہوا کے جھونکوں سے کھڑ کھڑ ارہے تھے۔برہنہ شاخوں میں کہیں کہیں کو نیپلیں پھوٹ رہی تھیں۔کھیتوں میں ہر طرف ہریالی تھی۔۔۔چمکیلی دھوپ میں سرسوں کے سینتی پھول لہلاتے ،گیندے کی زرد نارنجی کلیاں چٹکتیں اور پھول بن کر مسکراتیں تالابوں اور جوہڑوں میں اُجلے اُجلے گلابی کنول کھلیتے جن کو لکھنو اور اس کے مضافات میں عام طور پر کو کا بیلی کہا جاتا ہے۔"(۴)

"بارہ دری" ایک تاریخی محل ہے اور یہ محل سرا لکھنو کی ثقافت کا جام جہاں نما ہے۔اس محل کی کہانی تہذیبی اعتبار سے قدامت پسندی کی اساس پر بُنی ہے۔مصنف نے اس تاریخی محل سرائے کے ایک ایک گوشے کو قلمبند کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے۔ہر منظر کو اس طرح جزئیات نگاری سے پیش کیا ہے کہ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔ناول چار دیواری میں بارہ دری کی حرم سرا کا نقشہ لکھنوی فن تعمیر کی عمدہ مثال ہے۔یہ حرم سرا وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی ہے۔جو کسی دور میں ملکہ زمانی کے بیٹے مرزا امجد علی کیوان کی ملکیت تھی اور اب یہ جائیداد ان کے وُرثہ کی تھی۔بارہ دری میں ایک نہیں کئی عمارتیں تھیں اور اس کے ایک احاطے میں خاندانی قبرستان تھا۔اس کے علاوہ بارہ دری میں دیوان خان ، مہمان خانہ اورزنان خانہ لکھنوی ثقافت کی عکاسی کرتا ہے اس ضمن میں ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے جو طویل ہے لیکن لکھنوی فن تعمیر کے مظاہر پر روشنی ڈالتا ہے :

"پوری بارہ دری خاصے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔۔۔پھاٹک کے کواڑ تھے ۔۔۔چبوتروں کے اوپر سائبان کی طرح جھکے ہوئے چھجے تھے۔چھجوں کی بلندی پر نیم دائرے میں دو مچھلیاں تھیں۔جن کو نہایت نفاست اور ہنرمندی سے بنایا گیا تھا۔۔۔پھاٹک کی چھت پر خاصا کشادہ کمرہ تھا۔۔یہ بارہ دری کا نوبت خانہ تھا۔۔۔دیوان خانے کے اردگرد۔۔۔پائیں باغ تھا۔باغ میں سنگ مر مر کا خو

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

بصورت حوض تھا۔پھولوں کے تختے تھے۔۔۔جن میں نیم اور برگد کے علاوہ میوے دار درخت بھی تھے۔دیوان خانے سے ملی ہوئی ایک اور عمارت تھی۔یہ مہمان خانہ تھا۔جس میں بیرون شہر سے آنے والے مہمانوں کے قیام کے لیے کمرے تھے۔کمروں کے آگے کھپریل کی چھت کے سائبان تھے۔غسل خانہ تھا۔ باورچی خانہ تھا۔۔۔احاطے کے ایک ویران گوشے میں خاندانی قبرستان تھا کتنی ہی قبریں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو گئی تھیں۔جن کے آثار باقی تھے۔۔۔۔دیوان خانے سے تھوڑے فاصلے پر زنان خانہ تھا۔زنانی ڈیوڑھی تھی۔۔۔۔۔۔محل یا زنان خانے کا صحن کچا تھا مگر بہت وسیع تھا۔۔۔۔ایک کونے میں مولسری کا اونچا اور گھنا درخت تھا۔۔۔دوسری طرف توشک خانہ ،مودی خانہ ، باورچی خانہ اور غسل خانہ تھا۔[۵]

شوکت صدیقی کا لکھنو کے ماحول اور کلچر کو پیش کرنے کا مشاہدہ کافی گہرا ہے۔تہذیب و ثقافت کے ایک ایک پہلو کو اپنی فنی مہارت کے ساتھ ایک نقشے میں کھینچتے چلے جاتے ہیں۔کرداروں کی خصوصیات ،ان کی برائیاں اور اچھائیاں یہ سب عوامل جزئیات نگاری کے ساتھ ملتے ہیں۔

چار دیواری کا پورا منظر نامہ لکھنو کے جاگیردار اور تعلقہ دار طبقے کے رسوم و رواج، وضع داری ر،کھ رکھائو ،معاشرتی اور معاشی حالات ،مذہب کے ساتھ ان کی عقیدت اور نئے دور کے حالات کے مسائل کو سمجھنے کی صلاحیتوں کا فنکارانہ بیان ہے۔ناول کا بنیادی مقصد لکھنوی معاشرت کی ثقافت کو پیش کرنا ہے۔ناول میں جا بجا میلوں اور تہواروں کا ذکر بڑا مفصل کیا گیا ہے۔لکھنوی کلچر میں نو چندی کی جمعرات اور بسنت پنچمی کا تہوار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔اس مو قع پر لکھنو ی معاشرہ کنکوے بازی کے دلچسپ مقابلے میں حصہ لیتا ہے۔نواب ٹھاکر اور جلی خورشید کے درمیان کنکوے بازی کے کے متعلق اقتباس دیکھیں :

"بسنت پھر جلی خورشید کا ٹھاکر نواب سے کنکوے بازی کا باقاعدہ میدان رہتا۔ ہفتوں پہلے اس کی تیاریاں شروع ہو جاتیں۔۔۔ٹھاکر نواب کے کنکوئوں کا رنگ سیاہ ہوتا۔اس پر بسنتی چاند بنا ہوتا۔اُن کے کنکوئوں کی یہی پہچان تھی۔بسنت پر

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

سویرے ہی سویرے دونوں طرف سے کنکوے اڑائے جاتے۔۔۔جلی خورشید تو کنکوے لڑا کر بسنت مناتی تھی۔"(۶)

ناول میں بسنت پنچمی کے علاوہ شب برات کا تہوار ،شاہ بینا مخدوم کی درگاہ پر چادر چڑھائی کی رسم ،امام مہدی کے جشن ولادت کے مرقعے بھی ملتے ہیں۔ شاہ بینا مخدوم کے مزار کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ یہاں ہر قمری ماہ کی پہلی جمعرات کو جسے عرف عام میں نوچندی جمعرات کہتے ہیں پیر بڑے اجتماعات کا اہتمام بھی ہوتا تھا۔مزار کی زیارت لوگ عام دنوں میں کرتے تھے۔نو چندی جمعرات کو سہ پہر ی ہی سے مشتاقان زیارت کا مجمع لگ جاتا تھا۔کوئی اپنی منت اتارتا ہے تو کوئی دوسرے مراسمِ عقیدت مندی ادا کرتا تھا۔قوالی کا سلسلہ رات کو دیر تک جاری رہا کرتا تھا۔شہر کی قریب قریب ہر طوائف شام کو اس دربار میں حاضری دیتی اور قوالی گا کر بزم سماع کو بھی گرم کر جاتی ۔دوسرے شہروں سے بھی موسیقار آتے ہیں اور اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں جس سے رونقِ بزم اور بھی دوبالا ہو جاتی تھی۔شوکت صدیقی نے لکھنو کی پرُ رونق زندگی کی بڑی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔شاہ بینا مخدوم کے عرس کے حوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"قوال لہک لہک کر قوالی گاتے۔سامعین پر وجد طاری ہو جاتا ،کوئی جھومتا کوئی عالم محویت میں ہوتا ،کوئی بے قرار ہو کر حق اللہ کی صدا بلند کرتا۔ایک کے بعد قوالوں کی دوسری چوکی آتی۔اپنے کمال فن کا مظاہرہ کرتی۔"(۷)

شاہ بینا کا مزار ہمیشہ سے مرجع عام رہا ہے اور اُن کے مریدوں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوتا۔فن کاروں کو بھی اپنی ہنر مندی کی داد ملتی تھی۔جس کی وجہ سے لکھنو میں قوالی کا فن بڑا عروج پر تھا۔عرس کے دنون میں مزار پر حاضر ہونے والوں کا ایک مہذب میلہ لگا ہوتا تھا۔اس مقدس مقام کو لکھنو کی گراں قدر ثقافت میں ایک مقام مرتبہ حاصل تھا۔مصنف شاہ بینا مخدوم کے ارادت مند مشائخ قلزم شاہ کے متعلق لکھتے ہیں :

"۔۔۔ان پر خاص کیفیت طاری ہوتی تو وہ جھومتے جھومتے پھدکنے لگتے اور پھدکتے پھدکتے بے قرار ہو کر کھڑے ہو جاتے، جھوم جھوم کر حق اللہ کا نعرہ بلند کرتے ،اسی عالم وجد میں رقص شروع کر دیتے۔"(۸)

میلوں کا اصل رنگ آستانوں ،مقبروں پر نکھر کر سامنے آتاہے۔ان میلوں ٹھیلوں سے یہاں کی تہذیبی زندگی کی بھر پور عکاسی ہوتی ہے۔ناول میں‌درگاہوں اور مزاروں کے بارے میں ذکر ملتا ہے ۔وہاں کے لوگ درباروں کا رخ کرتے ہیں منتیں مانگتے ہیں۔ مرادیں پوری ہونے کے بعد چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔اس ناول میں ایک طوائف کی مراد پوری ہونے پر شاہ مینا مخدوم کے دربار پر چادر چڑھاتی ہے اور نذرانہ پیش کرتی ہے۔شاہ میناہ مخدوم کی درگاہ پر چادر چڑھائی کی رسم اسلامی ثقافت کی عمدہ مثال ہے۔

> "چاندی کی نقشیں گاگر میں پاک صاف پانی بھرا ہوتا۔اُسے گلاب کے پھولوں میں بسا کر معطر کیا جاتا۔گاگر ،صندل کی خوشنما چوکی پر اس قدر حفاظت اور کے ساتھ رکھی ہوتی کہ پانی کے چھلکنے کا اہتمام نہ ہوتا۔چوکی پر سرخ شال باف بچھی ہوتی گاگر پھولوں کے ہار بڑے ہوتے۔کہار بسنتی صافے باندھے چوکی کندھوں پر اٹھائے سنبھل سنبھل کر چلتے۔۔۔گاگر کے آگے آگے شہنائی بجتی ،عقب میں سب سے آگے اختری بسنتی ساڑی باندھے نہایت سج دھج سے خراماں خراماں قدم اٹھاتی۔اس کے جلو میں‌دوسری طوائفیں ہوتیں۔ گاگر کا جلوس گول دروازے سے نکل کر وکٹوریہ پارک کے سامنے پہنچتا۔"(۹)

لکھنوی ثقافت میں عوامی میلوں کی بڑی اہمیت ہے۔یہ میلے یہاں کی مذہبی اور طبعی زندگی کی پیداوار ہیں۔ لوگ ان میلوں میں کسی طبقاتی تضاد کے بغیر ملتے ہیں۔یہ میلے لکھنوی کلچر کی سماجی سرگرمیوں میں خاص مقام رکھتے ہیں۔مصنف نے اس ناول میں تہواروں ،میلوں ٹھیلوں ،رزم و بزم کی محفلیں،شطرنج کے کھیل ،دربار پر عرس کی تقریبات ،پہلوانوں کی کشتی اور گڑیوں کے میلے کا ذکر لکھنو کی ثقافتی زندگی کے خوب صورت مرقعے جگہ جگہ ملتے ہیں۔گڑیوں کے تہوار کے حوالے سے اقتباس دیکھیں:

> "۔۔۔اس روز گڑیوں کا تہوار تھا۔بازاروں گھماگھمی اور چہل پہل تھی۔حلوائیوں کی دکانوں پر خریدوں کی بھیڑ تھی۔بھیٹوں پر کڑھائوچڑ تھے تھے۔اندرسوں‌اور اندرسے کی گولیوں‌کو گھی میں تلا جا رہا تھا۔۔گڑیوں کے میلے میں جانے کی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

تیاریاں ہو رہی تھیں۔ محل سرائوں اور کوشکوں میں خوانوں اور کشتیوں کو نہایت اہتمام سے سجایا جا رہا تھا۔کسی خوان میں اندرسے تھے،کسی میں اندرسے کی گولیاں تھیں ،کسی کشتی میں رنگ برنگی چنریاں اور دھانی چوڑیاں تھیں ،کسی میں نقرئی ورق لگے ہوئے آم تھے۔گوٹا کناری لگے ۔خوان پوشوں سے ڈھانپا جا رہا تھا ---کہار اور مہریاں سائونی کے ان خوابوں اور کشتیوں کو سروں پر رکھ کر نئ نویلی دلہنوں کے لیے میکے سے سسرال پہنچانے جا رہے تھے---چراغ روشن ہوتے ہی ہندئووں کے بچے اور بچیاں گھروں سے نکل نکل کر چوراہوں پر اکھٹے ہو رہے تھے---گڑیوں کو چوراہے پر رکھا جاتا ہے۔اور چھڑیوں سے پیٹا جاتاتاکہ آنے والی الا بلا کا سدباب ہو جائے۔"(۱۰)

طوائف ابتدائے تہذیب سے ہی دنیا کے ہر معاشرے میں موجود رہی۔قدیم ہندوستان بھی اس سے خالی نہ تھا۔ثقافتی و سماجی سطح پر طوائف کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔وہ تمام علوم و فنون کی ماہر سمجھی جاتی تھی۔لکھنوی معاشرت بھی میں طوائف کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔لکھنو میں شاہی خاندانو ں کے افراد کا تعلق اپنی بیگمات کے علاوہ نہ صرف لونڈیوں سے تھابلکہ طوائفوں کے ساتھ بھی ان کے گہرے مراسم تھے۔جن کا اثر ان کی اولادوں پر پڑتا ہے۔لکھنو کی ثقافت کا انحصار جاگیرداروں کی دولت پر ہے۔دولت کی فراوانی کی وجہ سے لکھنوی معاشرہ عیاشی کی طرف مائل ہو گیااور اسی کی بنیا د پر نوابین اپنی ثقافتی سرگرمیوں کی سرپرستی کرنے کے اہل ہیں۔ڈاکٹر سید اعجاز حسین طوائف کے کردار کا معاشرے میں سرایت کئے جانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دہلی میں اورنگ زیب کے بعد اس طبقہ کا بازار ہمیشہ سے زیادہ گرم ہوگیا،بادشاہ اُمراء سب ہی اس حمام میں کھڑے رہتے گویا طوئف سے دلچسپی ایک ایسی روایت بن گئی جس پر عمل کرنا شانِ امارات و نفاست سمجھی جاتی---"(۱۱)

لکھنو کے نوابی دور میں طوائف وہاں کی تہذیب و تمدن کی علامت تھی۔نواب طوائفوں کے بالا خانوں پر جاتے اور طوائفوں کے ساتھ نا جائز تعلقات قائم کرتے اور بدلے میں اپنی دولت لوٹاتے۔طوائفوں سے مراسم رکھنا اور زنان بازاری سے دل بہلا نا گویا محل سرا کی نشانی تھی۔ محل سرا

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کی خادمائیں اور لونڈیاں تو ان کے لیے شب خوابی کے لباس کی مانند تھیں۔نواب تقی اور مغلانی حسنہ بیگم کے ناجائز تعلقات کے حوالے سے اقتباس دیکھیں۔

> "مغلانی عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر سونے کی تیار کر رہی تھیں۔انہوں نے نواب تقی کو اپنی کوٹھری کے دروازے پر دیکھا تو پریشان ہو گئیں۔وہ سردی سے کپکپا رہے تھے۔مغلانی ہڑبڑا کر اٹھیں اور شفقت سے نواب تقی کو اپنے پاس بیٹھا کر لحاف کا ایک حصہ ان کے جسم پر ڈال دیا۔۔۔وہ کہانی سننے کے لیے ضد کرنے لگے۔۔۔مغلانی ان کی ضد کے آگے بے بس ہو گئیں۔۔۔ابتدامیں سنبھل سنبھل کر بولتی رہیں۔پھر بہلنے لگیں۔۔۔نواب تقی ان کے پہلو میں لیٹے تھے۔کبھی مچلتے کبھی ٹھنکتے۔کرید کرید کر ایک ایک بات پوچھتے۔رات بھیگتی گئی۔سنسان ہو گئی۔کہانی بے ربط ہوتی گئی۔۔۔مغلانی ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکی تھیں۔انہوں نے گوشہ عافیت کے لیے جو اثاثہ اب تک سنبھال کر رکھا تھا۔ختم ہو چکا تھا۔نواب تقی کی نذرہو چکا تھا۔وہ کوٹھری سے باہر گئے۔تو حسنہ بیگم ایسی دل گرفتہ ہوئیں کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔"(۱۲)

یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ شوکت صدیقی نے اپنے دور کی مشہور طوائفوں کے حالات سے مکمل واقفیت کاثبوت بہم پہنچایا ہے۔یہ طوائف کا ظاہری روپ ہے جو تھوڑے بہت فرق کے ساتھ برصغیر کی ثقافت کا حصہ رہا ہے اور اس تصور نے شوکت صدیقی کے ناول میں جگہ پائی ہے۔ ور ڈاکٹر انوار احمد چار دیواری کے اندر رہنے والی عورتوں کے متعلق لکھتے ہیں:

> "اس ناول کی حقیقی معنویت یہ ہے کہ ایک چار دیواری کے اندر رہنے والی لکھنوی بیگمات کے پاس عام طور پر جسم ہیں بے حد خوبصورت اور آسودگی دینے والی زبان ہے۔آراستہ نزاکت اور نفاست سے معمور اپنے حریفوں کو زچ کرنے والی معلومات یا خیر کے ذرائع ہیں اور تدبیریں ہیں مگر ایک محدود دنیا کا تجربہ انہیں سادہ لوح بنائے ہوئے ہے۔جبھی ان کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھانے والے

بہت سے لوگ آسانی سے جنات کا روپ دھار لیتے ہیں اور انہی میں سے کچھ جن اتارنے والے بن جاتے ہیں۔"(۱۳)

ناول چار دیواری میں لکھنو کی ثقافتی منظر کشی کا بڑا مفصل بیان ملتا ہے۔ناول کا ہر صفحہ لکھنوی ثقافت کا عکاس ہے اور جگہ جگہ تہذیبی رفعت نظر آتی ہے۔ڈرامائی انداز میں طوائف کا کردار ،لونڈیاں ،بٹیر بازی ،کبوتر بازی ،شتر بازی اور اس طرح لکھنوی ثقافت کے کئی پہلو بھی کھل کر سامنے آتے ہیں ۔خاص طور پر چاردیواری میں بٹیروں کی لڑائی ،مرغ بازی اوراس طرح تمام بازیوں کے تماشے وہ ایک مرقع ساز کی طرح بناتے ہیں جو لکھنوی ثقافت کا خاص رنگ تھا۔اس ناول میں نواب تقی اور نواب صفی کا کردار لکھنوی معاشرت کی اخلاقی بے راہ روی کی نشاندہی کرتا ہے اور یہی عوامل اس معاشرے کے زوال کا باعث بنے۔نواب صفی ،شطرنج،پچیسی ،گنجفہ ،کبوتر ،بیٹر بازی کے شوقین تھے۔چار دیواری کو پڑھ کے قاری کو لکھنو کی تہذیبی و ثقافتی خامیوں کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔نواب صفی کے رئیسانہ مشاغل کے متعلق مثال دیکھیں:

"نواب ذکی کے مرتے ہی نواب صفی نے پر پُرزے نکالے۔دونوں ہاتھوں سے روپیہ لٹانے لگے۔شہر میں جو بھی نئی طوائف آتی ،اُس سے تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ،ہر طرح سے اسکی ناز برداری کرتے۔۔۔کبوتر بازی کا شوق پیدا ہوا تو سینکڑوں کبوتر خرید لیتے ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو تا گیا۔اپنی وسیع اور عالی شان محل سرا کا ایک حصہ کبوتر خانے کے لیے وقف کر دیا۔دوور دور سے اعلیٰ نسل کے کبوتر منگاتے اور ان کی منہ مانگی قیمت ادا کرتے۔اسی طرح بیٹر بازی کی لت لگی کہ ایک ایک بیٹر کی تیاری پر اندھا دھند خرج کرتے۔بیٹروں کی دیکھ بھال کے لیے ملازمین کی پوری پلٹن موجود تھی۔کوئی بٹیر کی نسل بلکہ شجرہ نسب معلوم کرنے پر مقرر تھا۔کوئی دانہ دینے پر کوئی چونچ اور پنجوں کے ناخن تیز اور نوک دار بنانے کے لیے تھا۔کوئی رات کے سناٹے میں بیٹر کے کانوں میں کوک دیتا تھا۔۔۔لڑانے کے لیے انہیں ہر طرح تیار کیا جاتا۔ جھپٹنے جھپٹ کر پلٹنے اور پلٹ کر زیادہ قوت سے جھپٹنے کے ہر گر ہر حربے کی تربیت دی جاتی۔"(۱۴)

ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد سوم میں لکھنو کی معاشرتی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں :

"لکھنو کے مخصوص معاشرتی حالات نے جو تہذیبی فضا پیدا کی اس سے شاعری کا رنگ بھی متاثر ہوا۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاشرہ ززندگی سے لطف و مزے کا آخری قطرہ تک نچوڑلینا چاہتا ہے۔یہ مزہ اس دور کے رقص ،موسیقی میں پھبتی ضلع جگت اور رعایت لفظی میں پیشہ ور لطیفہ گوئوں ،نقالوں اور قصہ خوانوں کے فن میں ،مرغ ،بٹیر بازی اور کبوتر بازی میں بانکوں کی سج دھج میں ،افیم کے گھولوں اور شراب کی چسکیوں میں بھی نظر آتاہے۔"(۱۵)

اس ناول میں لکھنو کی ثقافتی ،سماجی ،سیاسی ،معاشرتی اخلاقی صورت حال کو بیان کیا گیا ہے۔چار دیواری میں مصنف نے لکھنو کے مخصوص رسم و رواج کا ذکرکیا ہے جو لکھنو ی ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ناول میں ثقافتی عوامل کے ساتھ شادی کے موقعوں پر ڈھولک بجانا ،براتیوں کی آمد پر رقص، گیت ، نکاح اور شادی کی دیگررسوم کا ذکرملتا ہے۔مصنف باقر نواب کی منجھلی بیٹی مہر عالم کی شادی کی رسومات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں۔شہنائی کی سریلی آوازیں ، ڈومینیوں کا رقص براتیوں کے آرام و آسائش اور مہر عالم کے نکاح کی رسم کے متعلق اقتباس دیکھیں:

"نکاح تو چاشت کے وقت ہی ہو چکا تھا۔برات کو کھانا بھی کھلایا جا چکا تھامگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔دولہا زنان خانے میں تھا اور سالیوں کی چھیڑ چھاڑ کا نشانہ بنا ہوا تھا۔طرح طرح کی رسمیں ادا کی جا رہی تھیں۔سب سے پہلے اسے دلہن کی ہتھیلی پر رکھی ہوئی تل شکری چاٹنا پڑی پھر ایک رحل پر رکھا ہوا قرآن مجید آیا ۔دولہا دولہن کے سروں پر چادر ڈال کر پردہ کیا گیا دونوں کے درمیان آئینہ رکھا گیا تاکہ وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھ لیں۔ایک ڈومنی پر کھڑی دولہا کو یہ کہنے پر مجبور کررہی تھی۔بیوی آنکھیں کھولو۔تمہارا غلام دولہا سے جو کہا جا رہا تھا۔کہہ رہا تھا۔یہا آرسی مصحف کی رسم تھی اس کے بعد اسے دلہن کے پا جامے کے نیفے میں کمر بند ڈال کر ناز برادری بلکہ زندگی بھر غلامی کرنے کا برملا اظہار کرنا تھا

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

اور یہ نہ جانے ایسی کتنی رسمیں تھیں ،کچھ ادا ہو چکی تھیں اور کچھ ادا ہونا باقی تھیں۔"(۱۶)

خاص طور پر شوکت صدیقی کا ثقافتی بیانیہ حقیقت کی تصویر کشی میں بہت مشاق ہے اور وہ اس میں ایسے رنگ بھرتے ہیں کہ قاری کو کہیں اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا۔اس ناول میں زندگی آمیز حقیقتوں اور ان حقیقتوں کی تلخیوں کے ساتھ لکھنو کا رنگ پورے مظاہر کے ساتھ ابھرتا ہے۔ناول میں کرداروں کی زبان ،مکالموں کی کیفیت ،انسانی جذبات و احساسات کی گہرائی اور ہمارے ثقافتی مظاہر ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔شادی بیاہ کی تقریبات پر کمیں طبقہ اور شہدوں کے ذریعہ معاش کاذکر کیا ہے۔مہر عالم کی رخصتی پر شہدوں کے چھیڑنے اور موقع محل کی تصویر کشی پوری تاثر انگیز ہے۔مثال ملا حظہ ہو:

دولہا میاں کو چاند سی دولہن مبارک
مبارک سلامت
دولہا کے ابا جان کو لاڈلے بیٹے کا سہرا مبارک
مبارک سلامت
شہدے آخر شہدے ٹھہرے بیچ بیچ میں پھبتی بھی کس جاتے۔
اماں برات رخصت کرو مینہ برسنے والا ہے
دولہا نے پتیلی میں کھایا ہے
سر منڈایا ہے تو اولے بھی پڑیں گئے(۱۷)

مہر عالم کی شادی پر ڈھاریوں اور سارنگیوں کو بلایا گیا تھا۔سارنگی نے رخصتی کے موقع پر امیر خسرو کا مشہور منڈھا ، مدھم سروں میں چھیڑا۔جیسے ہی گیت کی آواز بلند ہوئی ڈھاری سوز کی دھن پر زنان خانے کی عورتوں کے چہروں پر غم اور رونے سسکنے کی آوازیں ابھرنے لگی۔رخصتی کے موقع پر گائے جانے والے گیت ہمارے کلچر کی عکاسی کرتے ہیں:

ہرے ہرے بانس کٹا ،مورے بابل
نیکا منڈھا چھوائے رے
پربت بانس منگا مورے بابل(۱۸)

شوکت صدیقی نے پورے ناول میں لکھنو کے طرز معاشرت کے بے حد خوبصورت رنگ بکھیرے ہیں۔چار دیواری کے پس منظر میں انہوں نے زبان ،عقائد ،توہمات ،میلے ،تیوہار،رسم ورواج غرض کہ تہذیب وثقافت کے ہر رنگ کو سمو دیا ہے۔چار دیواری کی کائنات میں خطہ اودھ کی ثقافت رچی بسی ہوئی ہے۔شادی بیاہ کی رسومات کے علاوہ بچے کے جنم کی رسم ،جھنڈ،چھٹی کی رسم اور بسم اللہ کی رسم کا ذکر ملتا ہے۔یہ رسم ورواج ہماری ثقافت کے ترجمان ہیں۔ یہ ناول لکھنو کے اس ایک ایک پہلو کو بیان کر تاہے۔اس ضمن میں دو مثالیں دیکھیں :

"زچہ خانے سے دائی کی صدا بلند ہوتے ہی ایک ماما نے چولہا پھونکنے کی بُھکنی منہ سے لگا کر بھوں بھوں بجانا شروع کردی۔کسی خادمہ نے زور زور سے توا پیٹا۔کوئی لکڑی لیکر ٹن ٹن تھالی بجانے لگی۔اس شوروغل کا مقصد یہ تھا کہ بلائیں اور بد ارواح دور ہو جائیں۔"(۱۹)

چھٹی کی رسم پر حضور بیگم کے میکے سے آنے والے سازوسامان کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

"چھٹی بھی نہایت دھوم دھام سے ہوئی۔۔۔مہمان بیگمات کے ساتھ ساتھ چھٹی کا سازو سامان بھی پہنچنے لگا۔۔۔اس میں بچے کے لیے قیمتی کپڑے تھے ہاتھوں اور گلے میں پہننے کے لیے کڑے اور طوق تھے ،نیلی تھی۔چاندی کے جھن جھنے اور لکڑی کے نہایت خوبصورت روغنی کھلونے تھے۔حضور بیگم کے لیے جڑائو کنگن کی قیمتی جوڑی اور گلے میں پہننے کے لیے چپا کلی تھی۔گوغلطاں کا جوڑا تھا۔عطر دان تھا ۔ہاتھی دانت کی مرصع کنگھی،مسی ، نقرئی ،ہنری ، تیل کے لیئے چاندی کی کٹوری اور شال باف کی سرخ اوڑھنی بھی تھی جس میں سات میوے۔۔۔پھولوں کا زیور علحدہ کشتیوں میں آیا تھا۔"(۲۰)

شوکت صدیقی نے لکھنو کی ثقافتی زندگی کو اپنے ناول میں بھر پور انداز میں منعکس کیا ہے۔وہ ہر ایک موقع پر لکھنو کی زندگی کی متنوع تصویریں اپنے خوب صورت بیانیے کے ساتھ آویزاں کرتے چلے جاتے ہیں۔جس سے لکھنو کی معاشرت اور ثقافت کا ایک نقشہ بھی ساتھ ساتھ نظروں میں پھر جاتا ہے۔بسم اللہ کی رسم کے متعلق اقتباس دیکھیں :

"بسم اللہ کی رسم بھی نہایت دھوم دھام سے ادا کی گئی ہے۔۔۔خسرو کو دولہا کی طرح بنا سنوار کر مولوی صاحب کے رو برو بٹھایا گیا۔خوانوں اور کشتیوں میں پستے بادام ، تیل خشخاش اور ڈیڑھ من شیرینی رکھی گئی۔مولوی صاحب نے چاندی کی تختی پر جلی حروف سے بسم اللہ تحریر کیا۔بلند ااواز سے اسے پڑھا۔مولوی صاحب کی ہدایت کے مطابق خسرو نے بھی بسم اللہ کہا۔۔۔خسرو کی درازی عمر کے لیے دعائیں مانگی گئیں شیرینی تقسیم ہوئی۔تمام نوکروں چاکروں ،لونڈیوں اور مامائوں کو جوڑوں کے علاوہ انعام و اکرام بھی دیا گیا۔"(۲۱)

اس ناول میں مصنف نے لکھنو کی ثقافتی زندگی اور اس ضمن میں پیش آنے والے واقعات اور کرداروں کے چنائو کے ساتھ ان کی طبعی خصوصیات کو بڑے ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ حضور بیگم پرانی تہذیب کی آخری شمع ہیں۔وہ مردہ اقداروروایات کو اپنے سینے سے چمٹائے تھیں۔حضور بیگم بڑی توہم پرست اور ضعیف الاعتقاد تھیں اسیب، بلائوں، آفتوں سے محفوظ رہنے کے لیے وہ صدقہ باقاعدگی سے دیتی ہیں۔ صدقے کا ذکر اسلامی ثقافت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ صدقے کے حوالے سے اقتباس دیکھیں:

"وہ کوئی بلا تھی یا آسیب تھا۔حضور بیگم کو کامل یقین تھا کہ وہ آسیب ہی تھا ۔انہوں نے کالا بکرا منگوا کر صدقہ کیا۔حضرت عباس علمدار کی درگاہ میں نواب تقی کی سلامتی اور ہر بلا سے محفوظ رہنے کے لیے عَلم میں مدوا باندھ کر چلہ چڑھایا۔"(۲۲)

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے کرداروں کا اپنے سماج اور اس کی ثقافت سے گہرا رشتہ ہے اور وہ لکھنو کے تہذیبی و ثقافتی واقعات کو ادب کے پیرائے میں سموتے ہیں۔شوکت صدیقی ثقافت، سماجی رویوں اور عادات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری کا رشتہ ادب و روایات اور اقدار سے استوار رہتا ہے۔ وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے ثقافتی تہذیبی اور تاریخی واقعات کا احاطہ تحریر میں لا کر پیش کرتے ہیں۔ شوکت صدیقی مخصوص تہذیبی و ثقافتی تصور کے تحت واقعات کا چنائو کر کے یوں معلومات فراہم کرتے ہیں کہ قاری بوریت کا شکار بھی نہیں ہوتے اور ثقافتی

پہلو بھی ان کی تحریروں میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ان کی اسی نوعیت کی تحریریں قاری کو اپنی گرفت میں لیتی ہیں۔

ناول چار دیواری لکھنوی ثقافت کا خوبصورت مرقع ہے۔اس ناول میں جاگیردار طبقے کی عکاسی ،نوابانِ لکھنو، امرا اور نوابین کی زندگی ان کے رسم ورواج ،طور طریقے ،اعتقادات ،مہمان نوازی ،توہم پرستی اور شاہی دور میں نوابین کے تمام مشاغل کو اسطرح بیان کیا گیاکہ تمام کردار آنکھوں کے سامنے متحرک محسوس ہوتے ہیں۔اس ناول میں اسلوب کی ہمہ گیر صفات اور زمان ومکان کے تاریخی ،ثقافتی اور تہذیبی مظاہر ناول نگاری کے نئے جہانوں کا بلیغ اشاریہ پیش کرتے ہیں۔شوکت صدیقی نے لکھنوی ثقافت کو اپنے ناول میں پیش کر کے نہ صرف محفوظ کیا بلکہ موجودہ دور کا قاری لکھنوی ثقافت سے واقف بھی ہوتا ہے۔وہ اس تاریخ اور ثقافت کے تخلیق کار تھے جس سے ہم عصر حاضر میں محروم ہوتے جا رہے ہیں ۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر انوار احمد۔اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ۔لاہور:کتاب نگر ،۲۰۱۷ء۔ص۲۱۸

۲۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان۔آزادی کے بعد اردو ناول۔کراچی:انجمن ترقی اردو ،۱۹۹۷ء۔ص۲۷۵

۳۔ شوکت صدیقی۔چار دیواری (انتساب)۔کراچی:رکتاب پبلی کیشنز۔۲۰۱۰ء

۴۔ شوکت صدیقی۔چار دیواری۔کراچی:رکتاب پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء۔ص۱

۵۔ ایضاً۔ص۱۷،۱۸،۱۹

۶۔ ایضاً۔ص۹،۱۰،۱۱

۷۔ ایضاً۔ص ۱۶

۸۔ ایضاً۔ص۱۲

۹۔ ایضاً۔ص ۱۴،۱۵

۱۰۔ ایضاً۔ص۴۸۶،۴۸۷

۱۱۔ ڈاکٹر سید اعجاز حسین۔اردو شاعری کا سماجی پس منظر۔الہ آباد:نیشنل آرٹ۔۱۹۶۸ء۔ص۲۹۷

۱۲۔ شوکت صدیقی۔چار دیواری۔ص۴۳،۴۷

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

۱۳۔ انوار احمد،ڈاکٹر۔شوکت صدیقی اور فن۔اسلام آباد :اکادمی ادبیات۔۲۰۰۶ء۔ص۹۷

۱۴۔ ایضاً۔ص۲۹،۳۰

۱۵۔ جمیل جالبی ،ڈاکٹر۔تاریخ ادب اردو۔(جلد سوم)۔لاہور : مجلس ترقی ادب۔۲۰۱۳ء۔ص۴۵

۱۶۔ شوکت صدیقی۔چار دیواری۔ص۲۱

۱۷۔ ایضاً۔ص۲۲

۱۸۔ ایضاً۔ص۲۳

۱۹۔ ایضاً۔ص۱۷۰،۱۷۱

۲۰۔ ایضاً۔ص۱۷۲،۱۷۳

۲۱۔ ایضاً۔ص ۱۷۶،۱۷۷

۲۲۔ ایضاً۔ص،۹۰